مقصدِ زندگی اور معاشی مصروفیات

سید اسعد گیلانی

مقصدِ زندگی انسان کے لیے دنیا کی زندگی میں سب سے قیمتی متاع کا نام ہے۔ انسان اسی کے لیے زندہ رہتا ہے اور اسی کے لیے جان دے دیتا ہے۔

یہ دور جس میں سے ہم گزر رہے ہیں ایک مادہ پرست تہذیب کے غلبے کے سبب مادہ پرستی کا دور ہے۔ ہر کام، ہر مقصد اور زندگی کا ہر معاملہ اسی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مادہ پرستی کے اس دور کی سب سے بڑی علامت اور مظہر اس کی کاروباری مصروفیات ہیں۔ کاروبار کیا ہے؟ وہ تمام مصروفیات جو معیشت کی خاطر اختیار کی جاتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انسان شاید اس زمین پر کبھی بھی معیشت کی خاطر اتنا مصروف اور ہمہ تن مشغول نہیں رہا ہے جتنا اب اس دور میں ہے۔ خاندانی زندگی منتشر ہو رہی ہے۔ انسانوں کے انسانوں پر مختلف حیثیتوں سے قائم شدہ حقوق کا تصوّر دن بدن مٹتا جا رہا ہے۔ نیکی، ہمدردی، ایثار، قربانی، مروّت کی خاطر کوئی تکلیف کسی دوسرے انسان کے لیے برداشت کرنا کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ ذہنی سکون، قلبی اطمینان، رشتہ وتعلق کی ذمہ داریاں، دوستوں کی دلداریاں، اور احباب کی رفاقتیں اور رابطے سب گھٹتے جا رہے ہیں اور معاشی مصروفیات دنیا کے بازاروں میں چاروں طرف بڑھتی اور پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔ جذباتِ محبت و مروّت رکھنے والا انسان اب سخت دل اور بے مروّت مشین بنتا جا رہا ہے۔ اس دور کا یہ مادی اور مشینی پہلو عالمگیر انسانی برادری کے لیے سخت تشویشناک مسئلہ ہے۔

اگر کوئی مشین بنائی جاتی ہے تو اس کے اندر تیل یا کوئلہ اس لیے جلائے جاتے ہیں کہ وہ متحرک ہو کر وہ کام انجام دے سکے جس کے لیے وہ مشین بنائی گئی ہے۔ لیکن اگر مشین کے اندر تیل ڈال ڈال کر جلانا اور پھر زیادہ سے زیادہ تیل جمع کرنا اور مشین میں ڈالنا اور جلانا ہی صرف کُل کام رہ جائے تو یہ ایک عجیب وغریب

بے مقصد اور بے معنی مشین بن کر رہ جائے گی۔ مشین بنانے والے کو آخر ایسی مشین کی کیا ضرورت ہوگی۔ کیا وہ یہ پسند نہ کرے گا کہ ایسی ناکارہ مشین کو جو صرف اس کا تیل جلاتی ہے، لیکن جس کام کے لیے وہ بنائی گئی ہے وہ کام انجام نہیں دیتی اس مشین کو آگ کی بھٹی میں ڈال کر بالکل پگھلا دے اور اس کا نام و نشان تک مٹا دے اور اس کی بجائے پھر کوئی دوسری مفید چیز بنائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی ناکارہ مشین اگر کسی انسان کے گھر میں ہو تو اسے وہ ایک دن بھی اپنے پاس نہ رکھے گا۔ لیکن مالک الملک نے انسان کو جس نے کمانے کھانے اور پھر مزید کمانے اور مزید کھانے کو ہی مقصدِ حیات قرار دے رکھا ہے اور جس کام کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اس کی طرف اسے لمحہ بھر کے لیے بھی توجہ دینے کی فرصت نہیں رہ گئی ہے نہ صرف اپنی کائنات میں رکھا ہوا ہے بلکہ اسے مہلت پر مہلت مل رہی ہے اس لیے کہ دنیا کے کمرۂ امتحان میں جو مہلت اسے دی گئی ہے وہ تو اُسے بہر حال ملے گی۔ اگرچہ تباہی اور بربادی کے بار بار اُٹھنے والے طوفان بتاتے ہیں کہ قافلۂ انسانیت کسی بہت بڑی تباہی کے غار کی طرف مسلسل بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

انسانوں کے اندر مصلحین کا ایک طبقہ ہمیشہ رہا ہے جس کی پوری طرح پیروی نہ کرنے کے باوجود انسان نے ان کی زندگی کو ہمیشہ اپنے لیے نمونے کی اعلیٰ تر زندگی قرار دیا ہے۔ اگر ایسے مصلحین کی زندگیوں کو دیکھیں تو ان میں سے ایک بہت بڑی تعداد ایسی دکھائی دیتی ہے جو معاشی مصروفیات کے اس بے پناہ روز و شب کے چکر سے اپنے آپ کو بڑی حد تک آزاد رکھتی رہی ہے۔ ان کے نزدیک معاشی مصروفیات ہمیشہ ثانوی حیثیت پر رہی ہیں۔ انھوں نے چونکہ ہمیشہ ایک اعلیٰ تر مقصدِ زندگی کو اپنے پیش نظر رکھا اور اس کے لیے جدوجہد کی، اس لیے وہ معاشی مصروفیت کے چکر کو اوّلیت دے ہی نہ سکتے تھے۔ انسان کے اندر رہنے والے حیوان سے زیادہ اس کے اندر رہنے والے انسان کی راہنمائی کا مقصد ہمیشہ اُن کے سامنے رہا ہے۔

آج ہم ہر طرف معاشی مصروفیت کے چکر کو بے پناہ تیزی سے چلتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جس میں انسانوں کے ہجوم فرعون کے غلاموں کی طرح شب و روز جُتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ صبح جاگتے ہیں تو اس جوئے میں جُت جاتے ہیں اور رات آتی ہے تو نڈھال ہوکر ذہن میں حساب و کتاب کا الجھاوا لیے ہوئے سو جاتے ہیں، اور صبح اُٹھ کر پھر اسی عذابِ معاشی مصروفیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انھیں یہ معلوم ہی نہیں کہ ان کا مقصدِ زندگی اس کے سوا کچھ اور بھی ہے۔ وہ اسی کو مقصدِ حیات سمجھتے ہیں اور اسی کے لیے چیونٹیوں کی طرح دن رات مصروف رہتے ہیں۔ ہم جس کو

بھی دیکھتے ہیں کہ اُسے معاشی مصروفیات کے سوا کسی دوسرے مقصدِ زندگی کا شعور ہوگیا ہے اور اس شعور نے اس کی عملی زندگی پر بھی اثر ڈالا ہے اور وہ اس کے لیے اپنے دل میں ایک تڑپ کے ساتھ کچھ نہ کچھ کرنے پر بھی آمادہ ہوگیا ہے۔ البس وہیں سے اس کا یہ کاروبار ی چکر ذرا سُست پڑنے لگتا ہے۔ عفریتِ معاش کی کنڈلی کی گرفت اس کے گرد آہستہ آہستہ ڈھیلی ہونے لگتی ہے۔ پورے عروج پر چڑھی ہوئی معاشی پینگ کچھ اُترنے لگتی ہے اور وہ دوسروں سے معاشی دوڑ میں ذرا کچھ پیچھے رہنے لگتا ہے اور معاملہ قوتِ لایموت اور رزقِ کفاف پر آ رُکتا ہے۔ اسی طرح جب ایک مقصدِ حیات کو لے کر کام کرنے والے آدمی کا کاروبار چمکنے لگ جاتا ہے، معاشی مصروفیت بڑھ جاتی ہے۔ بنک بیلنس میں اضافہ ہونے لگتا ہے، اور وہ اپنے احباب اور رفقاءِ مقصد سے ملاقاتیں اور میل ملاپ کچھ کم کردیتا ہے تو اچانک جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ زبان سے اقرار کے باوجود اب اس کے سامنے مقصدِ زندگی وہ نہیں رہ گیا ہے جس کا وہ اقرار کرتا ہے بلکہ مقصدِ زندگی دن بدن معاشی مصروفیت اور معاشی کاروبار بنتا چلا جارہا ہے۔ پھر وہ دوستوں کی مجلس سے غائب ہونے لگتا ہے۔ پھر وہ دوستوں سے رابطہ قائم رکھنے سے گھبراتا ہے۔ پھر محسوس ہوتا ہے کہ اس کا عام ذوق بھی کچھ بدل گیا ہے۔ وہ ہم نشینی کی ذمہ داریوں سے بھی پہلو بچاتا ہے اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ صورت تو وہی جانی پہچانی ہے لیکن اندر ہی اندر کوئی انقلابی تبدیلی کا عمل وارد ہو رہا ہے۔ دل بدل رہا ہے، نظریں بدل رہی ہیں، اور وہ عزیز ساتھی شکل وصورت وہی رکھتے ہوئے بالکل بدلا ہی چلا جارہا ہے۔ تب پتہ چلتا ہے کہ دَورِ جدید کا دیوِ معاش اسے ہڑپ کرتا جارہا ہے اور وہ ہم سے دن بدن دُور ہو رہا ہے۔ پھر اگر وہ معاشی ترقی کے سوا کسی دوسرے مقصدِ حیات کا اقرار کرتا بھی رہتا ہے تو اُس کی حیثیت رسمی اور وقتی ہوتی ہے۔ ایک وقت قریب آرہا ہوتا ہے جب اس کا یہ قول جواب محض تضادِ قول وفعل کا خول ہوتا ہے جلد ہی اتر کر اندر سے ایک دوسرا آدمی برآمد ہو جائے گا۔

بلاشبہ موجودہ دَور نے دو وقت کی حلال روٹی ایک مومن کے لیے دوبھر کردی ہے اور دو وقت کی روٹی حاصل کرنے کے لیے بھی اسے جسم میں سے خون اور پسینہ بیک وقت نچوڑنا پڑتا ہے لیکن آخر جن لوگوں نے دو وقت کی روٹی کمانے کے علاوہ بھی اپنی زندگی میں کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہے یا کوئی جدوجہد ایسی کی ہے جسے تاریخ نے محفوظ رکھا اور انسانیت نے اسے سراہا ہے تو وہ جدوجہد ہمیشہ معاشی مصروفیت کے علاوہ کوئی دوسری ہی جدوجہد ہوتی رہی ہے۔ انسانیت کی تاریخ تو خیر اس چیز

سے ہمیشہ بے نیاز رہی ہے کہ کوئی پیدل چلتا رہا ہے یا کار میں سفر کرتا رہا ہے، پختہ جنگلوں میں رہا ہے یا کچے جھونپڑوں میں۔ اعلیٰ کھانے اور قیمتی لباس استعمال کرتا رہا ہے یا روکھا سوکھا اور موٹا جھوٹا پہنتا اور کھاتا رہا ہے۔ زمانہ تو صرف اسی کارنامے کا وزن لگاتا ہے جو کسی نے مجموعی طور پر بنی نوع انسان کی بھلائی اور رہنمائی کے لیے سرانجام دیا ہو۔ تاریخ تو کیا معاشرتی ماحول بھی اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ کوئی اپنے گھر میں کتنی شان سے رہتا ہے اور اپنے نفس پر کتنا کچھ خرچ کرتا ہے معاشرہ بھی اپنی ذات سے ہٹ کر کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے کسی انسان کی مصروفیت اور ایثار سے ہی اس کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے۔

معاشی کاروبار ایک ایسی چیز ہے جسے کوئی جس قدر چاہے پھیلاتا چلا جائے بلکہ جب وہ چل پڑتا ہے اور کاروباری آدمی کا اپنے کاروبار میں اخلاصِ عمل ثابت ہو جاتا ہے تو پھر وہ کاروبار خود ہی پھیل پھیل کر اس آدمی کو اپنے جال میں سمیٹنے لگتا ہے اس کے ہاتھ پاؤں اوقات دل و دماغ سب کچھ اس میں صیدِ زبون بن کر رہ جاتے ہیں اور وہ پیسہ بنانے کی ایک مشین بن کر رہ جاتا ہے۔

کیا انسان کے لیے یہ روپہلی مشین بن کر رہ جانا مفید و مطلوب ہے؟

یقیناً یہ مشینی زندگی اس شخص کے لیے ضرور مطلوب ہے جس کے سامنے خلوصِ دل سے اس کے سوا اور کوئی مقصدِ حیات نہ ہو کہ پیسہ کمایا جائے مزید کمایا جائے اور کما کما کر جمع کیا جائے اور جمع کر کر کے گِنا جائے اور گِن گِن کر زندگی کی مسرت حاصل کر لی جائے۔

لیکن یہ مشینی زندگی اس شخص کے لیے یقیناً مطلوب نہیں ہے جسے حُسنِ اتفاق سے اس بات کا شعور حاصل ہو گیا ہو کہ اس کا مقصدِ زندگی پیسہ کمانے کے علاوہ کوئی دوسرا ہے۔ جب یہ بات سامنے آجائے کہ مقصدِ زندگی کوئی دوسرا ہے تو پھر ایسی مصروفیت جو انسان کے سارے اوقات چوس لینا چاہے اور اسے صرف اپنے ہی لیے وقف کر لینا چاہے مقصدِ حیات کی جان لیوا رقیب بن جاتی ہے۔ پھر ان دونوں مصروفیات کے درمیان سوتوں جیسا بیر پیدا ہو جاتا ہے اور دونوں میں سے کسی ایک مصروفیت کو دوسری کے تابع ہو کر رہنا پڑتا ہے یہ فیصلہ کہ کون کس کے تابع ہو یہ فیصلہ کرنا خود اس شخص کا کام ہوتا ہے جو اس صورتِ حال سے دوچار ہوا ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اور تو جس کا جی چاہے اپنی معاشی مصروفیات کو اپنے مقصدِ زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ لیکن ایک مومن کو جس نے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کو ہر اطاعت پر حاوی کرنے کا عہد کر رکھا ہو۔

اسے یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے مقصدِ زندگی پر اپنے روزمرہ کے دوسرے معاشی کاروبار کو ترجیح دے۔ اس لیے کہ اس نے تو اپنا نام نہ کسی ملک کی نسبت سے رکھوایا ہے، نہ نسل کی نسبت سے، اور نہ پیشے کی نسبت سے، بلکہ صرف اور محض مقصدِ زندگی کی نسبت سے ہی اس نے اپنا خاص نام مسلمان رکھوایا ہے اور وہ نسبتِ عجیب حاصل کی ہے جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ تمہارا اعزاز و اکرام خدا کے نزدیک صرف تقویٰ اور دینداری کی نسبت سے ہے کسی کارکوٹھی اور دنیوی جاہ و جلال کی نسبت خدا کے ہاں نہ صرف یہ کہ پرِکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ حساب و کتاب کی میزان میں ایک بھاری بوجھ کا اضافہ کر کے حیثیتِ بندگی کو اور زیادہ مشکوک کر دیتی ہے۔

چنانچہ فرمایا گیا:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (النساء)	اے نبیؐ! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی قلیل ہے اور پرہیزگاروں کے لیے آخرت بہتر ہے۔
اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (المومن)	یہ دنیوی زندگی (اور اس کا ساز و سامان تو) بس چند دنوں کے استعمال کے لیے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔

چنانچہ دنیا اور اس کی مال و متاع جس کے لیے شب و روز اتنی مصروفیت ہے کہ انسان خدا اور رسولؐ اور اپنے مقصدِ حیات تک کو بھولا جا رہا ہے۔ اس کی بے حقیقتی کا حضورؐ نے ایک نہایت نفسیاتی طریق پر اپنے اصحاب میں شعور پیدا فرمایا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کا گزر بکری کے کان کٹے بچے پر ہوا جو راستے میں مُردہ پڑا تھا۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا "تم میں سے کوئی اس مُردہ بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا" عرض کیا گیا ہم تو اسے کسی قیمت پر بھی لینا پسند نہیں کرتے۔ حضورؐ نے فرمایا "بخدا دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہے جتنا تمہارے نزدیک یہ مُردہ بچہ ہے۔" (صحیح مسلم)

حضرت ابوموسیٰؓ نے بھی ایک روایت کے ذریعے ہمیں دنیا کی مصروفیت میں آخرت یعنی مقصدِ حیات

کو بھول جانے کے خطرے سے متنبہ فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

"جو شخص دنیا کو محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا۔ پس عقل و دانش یہی ہے کہ فانی کے مقابلہ میں باقی کو اختیار کیا جائے۔" (بیہقی)

اسی چیز کو حضرت عبداللہؓ بن عمر نے حضورؐ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا حضورؐ نے میرے دونوں مونڈھے پکڑ کر ارشاد فرمایا:

"دنیا میں ایسے رہ کہ جیسے تو پردیسی ہے یا رستہ چلتا ہوا مسافر۔" (بخاری)

ایک دوسرے موقع پر حضورؐ نے اپنی اُمت کے بارے میں فقر و فاقہ سے نہیں بلکہ وسعتِ دنیا کے سبب اندیشہ محسوس فرمایا۔ عمروؓ بن عوف سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا:

"میں تم پر فقر و فاقہ آنے سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے تمہارے بارے میں یہ ڈر ہے کہ دنیا تم پر وسیع کر دی جائے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی تھی پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا اور پھر وہ تم کو برباد کر دے جیسے کہ اُس نے ان اگلوں کو برباد کیا (صحیح بخاری و مسلم)

پھر یہ بھی فرمایا کہ:

"ہر اُمت کے لیے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری اُمت کی خاص آزمائش مال ہے۔" (ترمذی)

پھر فرمایا کہ:

"دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں ان بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال اور عزت و جاہ کی حرص کرتی ہے۔" (ترمذی)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کاروبار کوئی بری چیز ہے یا اسے چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشینی اور رہبانیت اختیار کر لینی چاہیئے۔ گوشہ نشینی اور رہبانیت کی مذمت اسلام سے بڑھ کر اور کس نے کی ہے اور کسبِ حلال سے بڑھ کر مستحسن چیز اور کسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہاں دراصل صرف وہ کاروبار زیر بحث ہے جو بڑھ کر آدمی کی تمام دیگر مصروفیات اور فرائض پر اثر انداز ہو جائے۔ اور آہستہ آہستہ انسان کی نظر سے اس کا مقصدِ حیات او جھل ہونے لگے۔ یہ لازم نہیں کہ ہر کاروبار لازماً مال کی حرص اور عزت و جاہ کی طلب پیدا کرے۔ لیکن بہر ان دونوں چیزوں کے آنے کا راستہ ضرور ہے۔ اور اگر کوئی شخص اسی راستے پر اپنے سارے اوقات لگانا شروع کر دے تو وہ ضرور ہی ایک دن ان دونوں بھیڑیوں سے دوچار

ہو جائے گا جو اس راستے سے اکثر آتے اور لوگوں کے ایمان و اخلاق و اخلاص فی الدین کی بکریوں کو پھاڑ جاتے ہیں۔

ویسے بھی انسان کے حصے میں جس قدر مال آتا ہے اس کی ذات کے لیے اس میں صرف تین ہی مدّیں ہیں جن کا ذکر حضورؐ نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا ہے:

"بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ اس کے مال میں سے جو واقعی اس کا ہے وہ بس تین ہی مدّیں ہیں۔ جو اس نے کھا کر ختم کر دیا، جو پہن کر پُرانا کر دیا، جو راہ خدا میں دے کر آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا، باقی جو کچھ ہے وہ دوسروں کے لیے چھوڑ جانے والا ہے۔" (مسلم)

اسی لیے حضورؐ نے فرمایا: "بندۂ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہوا اور بندۂ درہم خدا کی رحمت سے دُور ہو۔" (ترمذی)

چنانچہ نبی کریمؐ نے فرمایا جسے حضرت ابوامامہؓ نے روایت کیا۔

"اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لیے وہ مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دے۔ میں نے عرض کیا میرے پروردگار میں اپنے لیے یہ نہیں مانگتا، بلکہ میں تو پسند کرتا ہوں کہ جب بھوک لگے تو آپ کو یاد کروں اور آپ کے سامنے گریہ وزاری کروں اور جب آپ کی طرف سے ملے اور پیٹ بھرے تو آپ کی حمد اور شکر کروں"۔ (ترمذی)

حضورؐ کی تربیت کے یہی وہ اثرات تھے جنہوں نے صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی تعداد کو دنیوی جاہ وحشم سے بے نیاز کر کے صرف غلبۂ اسلام پر نظریں جما دینا سکھا دیا تھا۔ حضرت ابوالدرداؓ کی بیوی روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضرت ابودرداؓ سے پوچھا کہ آپ بھی مال منصب و عہدہ دوسروں کی طرح کیوں طلب نہیں کرتے۔ اُنہوں نے کہا میں نے اپنے آقا سے سُنا ہے کہ:

"تمہارے سامنے ایک بڑی دشوار گزار گھاٹی ہے اس کو گرانبار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کر سکیں گے۔ اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اس گھاٹی کو عبور کرنے کے لیے ہلکا پھلکا رہوں۔" (بیہقی)

چنانچہ ایک کامیاب بندۂ خدا کی نشاندہی حضورؐ نے ان الفاظ میں فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقتِ اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدرِ کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدرِ قلیل روزی پر قانع بھی بنا دیا" (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے کاروبار سے منع فرمایا ہے جس میں انسان خدا ہی کو بھول جائے۔

لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ خبردار ایسی تجارت نہ کرو کہ خدا کو بھول جاؤ۔

چنانچہ صحابہ کبارؓ میں سے ایک نہایت اعلیٰ منصب کے صحابی کے بارے میں جو بہت بڑے تاجر بھی تھے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے۔

"حضورؐ نے فرمایا کہ جب میرے سامنے جنت پیش کی گئی تو سب صحابہ بہ آسانی جنت میں داخل ہو گئے لیکن عبدالرحمٰنؓ بن عوف گرتا پڑتا چلا تو بمشکل جنت کے دروازے تک پہنچا"۔

یہ بات سن کر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے تمام اونٹ اور غلام خدا کی راہ میں دے دیئے اور عرض کی کہ اب شاید میں صحابہؓ کے ساتھ آسانی سے داخل ہو سکوں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسا کاروبار جس میں آدمی نے اپنے آپ کو پوری طرح جھونک دیا ہو۔ اس کے لیے دینی فرائض کی ادائیگی میں بھی کافی رکاوٹ ثابت ہوتا ہے بلکہ دیکھا جائے تو دین کا اپنا مزاج بھی کچھ اس قسم کا ہے کہ وہ ایسے پھیلے ہوئے وسیع کاروبار کے مخالف پڑتا ہے جو آدمی کو اپنے اندر بالکل ہی جذب کر لے چنانچہ دین کے اہم کام سارے کے سارے آدمی کو بار بار کاروبار کی گود سے کھینچ کر باہر نکال لے جاتے ہیں جس سے اسے کسی نہ کسی پہلو سے بظاہر مادی پہلو سے خسارہ ہوتا ہی ہے۔ نماز آسے پانچ بار ہر مصروفیت کو چھڑا کر اپنی طرف کھینچتی ہے اور کسی اہم ترین کاروباری عذر کو بھی نہیں سنتی۔ روزہ مسلسل ایک ماہ تک اسے بڑے بھاری پیمانے کی کاروباری مصروفیت سے کافی حد تک باز رکھتا ہے۔ حج کے لیے جانے والا آدمی چند ماہ تک کے لیے بالکل ہی کاروبار کی ہر نوعیت کو چھوڑ چھاڑ کر نکل جاتا ہے اور ایک دوسرے ہی ایسے کاروبار میں مصروف ہو جاتا ہے جہاں اسے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے کاروبار کا خیال لانا بھی مشکل ہوتا ہے جہاد مومن کو اگر لے جائے تو زندگی کا ہی سودا چکانا چاہتا ہے۔ یہ سارے مومن کے رب کی طرف سے اس پر عائد کئے ہوئے ایسے فریضے ہیں جو اس کے بھرپور کاروبار کی موجودہ مصروفیات میں بار بار خلل انداز ہو کر اسے بتاتے ہیں کہ چاہے تو کتنا ہی مصروف بننے کی کوشش کرے تیرے مالک کی

نکیل تیرے ناک میں موجود ہے۔

بزرگانِ دین میں ایسے کاروباری حضرات کی بہترین مثالیں موجود ہیں جنہوں نے دین کا کام بھی جم کر کیا اور اپنے کاروبار بھی چلائے اس کی وجہ یہ تھی کہ مال کی محبت ان کے نفس پر خفیف سی گرفت بھی نہیں رکھتی تھی۔ حضرت شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کو اگر یہ اطلاع ملتی ہے کہ آپ کا تجارتی سامان سے بھرپور جہاز سمندر میں ڈوب گیا ہے تو بھی اپنے دل کی حالت دیکھ کر وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے اور اللہ کا شکر بجالاتے ہیں کہ دلِ بے نیاز اس خبر سے غیر متاثر اور قلب مطمئن ہے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ انسان دنیا میں کس غرض سے بھیجا گیا ہے اور آخرت میں اس سے کس چیز کا حساب لیا جانا ہے؟ کیا اس بات کا کہ اس نے دنیا میں اپنے پیچھے کتنا شاندار تمدن چھوڑا۔ کتنے کارخانے بنائے اور کتنا بنک بیلنس جمع کیا اور اپنے وارثوں کے لیے کتنا مال چھوڑا یا اس سے یہ پوچھا جانے والا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دنیا سے اعمال کا کیا ذخیرہ لایا۔ پس جس چیز کی منزلِ مقصود پر پہنچ کر پُرسش ہونی ہے آج اس زندگی میں اس کی فراہمی کی کوشش ہی سب سے زیادہ ضروری ہے اور جو چیز وہاں پوچھی ہی نہیں جاتی ہے اس کے جمع کرنے، فراہم کرنے اور ڈھیر لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ چونکہ آخرت غیر محسوس ہے اور اس کا بگاڑ یا اس کی ویرانی آدمی کو نظر نہیں آتی اس لیے آدمی بے نیازی سے دنیا میں اُلجھا رہتا ہے جس کے بگاڑ سے اسے محسوس تکلیف ہوتی اور جس کی آبادی سے اُسے نمایاں آرام و راحت ملتے ہیں۔ اس طرح دنیا نے انسان کو چاروں طرف سے گھیر کر اسے اپنی بھول بھلیوں میں ایسا بتلا کیا ہے کہ اس کے اندر اپنے اصل گھر کی یاد اور اس کی آبادی سے دلچسپی رکھنے کا جذبہ ہی سرد کر دیا ہے۔

ظلم یہ ہے کہ کاروباری اور معاشی مصروفیت نے اپنی حد سے بڑھ کر ایسے ایسے لوگوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے جن کے یوں گھر جانے کا کبھی وہم بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کاروباری مصروفیت کے ہاتھوں ہم نے بڑے بڑے زخم کھائے ہیں۔ ایسے ایسے پرانے دوست اور دین کے مجاہد اس کاروباری آندھی میں اپنی مصروفیت سے ہٹ کر دُور اندھیروں میں جا پڑے ہیں جن کی یاد کے زخم دل پر بڑے گہرے ہیں۔ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن کی دین کے لیے سرگرمی اور جذبۂ ذوق و شوق دیکھ کر کام کی طلب پیدا ہوتی اور رہنمائی ملتی تھی اور جن کے جذبے بڑے بیدار اور جن کے دل و دماغ دین کے لیے بڑے مستعد ہوتے تھے لیکن آج کاروبار نے گھیر گھار کر ان کو ایسا سرد کیا ہے کہ وہ چلتے پھرتے اپنے ماضی کے لاشے نظر آتے ہیں

اور انہیں دیکھ کر ایسی عبرت ہوتی ہے کہ انسان دنیا کے فانی اور عارضی چیز ہونے کی زندہ گواہیاں ان کے وجود سے حاصل کرلیتا ہے۔ لوگوں کا یہ حال دیکھ کر بے اختیار زبان پر آجاتا ہے کہ "اے کاروبار اگر تو نے کچھ لوگوں کے بنک بیلنس بنا دیئے اور کچھ لوگوں کی معاشی گاڑی کی رفتار تیز کر دی ہے تو دوسری طرف تو نے کتنے ہی جوش و خروش رکھنے والے سینوں کو سرد اور احباب کی مجلسوں کو سونا کر دیا ہے۔ اے کاروبارِ دنیا تو کاروبارِ آخرت سے کتنی مخالفت اور متضاد فطرت رکھتا ہے۔ تو نے چلتی ہوئی تحریکوں کو سرد کر دیا ہے اور اُمنڈتے ہوئے پاکیزہ انقلابوں کے رُخ موڑ دیئے ہیں۔ تیرے اندر حیرانی و سرگشتگی کے سوا کیا رکھا ہے۔ اسلامی تحریکوں کو تو یا بر کاب اصحابِ عزیمت اور صاحبِ جنون سپاہیوں کے دستے ہی کامیابی کی منزل تک پہنچا سکتے ہیں۔

اسعد گیلانی
کا
تازہ ترین مجموعہ مکاتیب

دوش بدوش

مضامین اور ابواب کا خاکہ

- تقسیم ملک اور ہندو مسلم فسادات کا پس منظر
- ہجرت و آباد کاری کی داستانِ الم
- قوم پرستی کے ہولناک مناظر
- دعوت و تبلیغ کا نیا اسلوب
- ہجرت و خانہ بدوشی کے مراحل
- مہاجرت اور خدمت
- جہان نو ہو رہا ہے پیدا
- دلچسپ اور شگفتہ کہانی کا تسلسل

ضخامت: ۲۶۰ صفحات — قیمت: آٹھ روپے

ادبِ اسلامی پبلیکیشنز، ملتان روڈ، ملتان چنگی، لاہور